پروفیسر ایچ بی خان

نظریہ پاکستان اور علماء دیوبند

برصغیر میں ایک جداگانہ مسلم ریاست کے قیام کا تخیل مختلف ایام میں مختلف شکلوں اور نوعیتوں میں سامنے آتا رہا۔ مگر اصل میں اس کی صحیح نشو ونما اور آبیاری اس وقت شروع ہوئی جب ۱۹۳۷ء کے عام انتخابات کے بعد کانگریسی حکومتوں نے اپنے اکثریتی صوبوں میں ہندو راج قائم کرنے کے منصوبوں کو (جو درپردہ طور پر عرصے سے کار فرما تھے) عمل میں لانے کی تدابیر اختیار کیں۔

مسلم لیگ کی حمایت اور مخالفت میں علماء کے تین گروہ ہو گئے تھے جن میں سے ایک گروہ کے سرخیل مولانا اشرف علی تھانوی تھے۔ یہ کلیتاً مسلم لیگ کی تائید وحمایت کرتا تھا۔ پروفیسر انوار الحسن نے مولانا اشرف علی تھانوی کی ایک پیشین گوئی بیان کی ہے جو موصوف نے ۱۹۳۸ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی کے سامنے کی تھی۔ وہ یہ کہ مسلم لیگ والے اپنی جدوجہد میں کامیاب ہو جائیں گے اور "جو سلطنت ملے گی، وہ ان ہی لوگوں کو ملے گی جن کو آج سب فاسق وفاجر کہتے ہیں لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ یہی لوگ دین دار بن جائیں۔" مولانا نے مزید کہا تھا کہ "آج کل حالات ایسے ہیں کہ اگر مولویوں کو سلطنت مل بھی جائے تو وہ اسے چلا بھی نہ سکیں گے۔" (حیات امداد اللہ ص ۲۳، ۲۴) لہٰذا مولانا تھانوی نے یہ خیال ظاہر کیا کہ مسلم لیگ کے ارباب اقتدار کو اسلام کا نظریہ حیات سمجھانے کے لیے "تبلیغ" کی ضرورت ہے۔ اسی لیے موصوف نے مسٹر جناح کے پاس مولانا شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں کچھ "تبلیغی وفود" بھیجے۔ قبل اس کے کہ ان تبلیغی وفود کی تفصیلات پیش کی جائیں، مولانا تھانوی اور مولانا شبیر احمد عثمانی کا مختصر سا تعلق بیان کرنا ضروری ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا عثمانی، دونوں حضرات مدرسہ دیوبند سے فارغ التحصیل تھے۔ حسن اتفاق سے دونوں حضرات شیخ الہند سے فیض یافتہ تھے۔ علامہ عثمانی نے شیخ الہند کی اسارت کے زمانے میں، شیخ الہند کی رہائی کے لیے کوششیں کیں۔ نیز شیخ الہند کی نیابت کرتے ہوئے تقاریر کیں۔ مولانا تھانوی اور مولانا عثمانی کانگریس کی مسلم آزار پالیسیوں

سے بے زار و متنفر تھے اور کانگریس کے ساتھ بلا شرط و معاہدہ اشتراک و اتحاد کے حق میں نہ تھے۔ ۱۹۳۷ء میں عام انتخابات کے نتیجے میں جب چھ صوبوں میں کانگریس نے اپنی وزارتیں قائم کیں تو پھر اس کی مسلم آزار پالیسی کھل کر سامنے آئی۔ لہٰذا دونوں حضرات نے واضح طور پر مسلم لیگ کی تائید و حمایت کی۔

مولانا اشرف علی تھانوی اور مسٹر جناح کی دینی تربیت

مولانا تھانوی کا یہ خیال تھا کہ مسلم حکومت، مسلم لیگیوں کو ملے گی اور یہ لوگ دین سے کماحقہ واقف نہیں ہیں۔ لہٰذا کوشش کرنا چاہیے کہ یہی لوگ دین دار بن جائیں۔ چنانچہ مولانا تھانوی نے مسٹر جناح کے پاس اس سلسلے میں حسب ذیل تبلیغی وفود بھیجے۔

۱۔ مولانا تھانوی نے مولانا شبیر احمد عثمانی کو حکم دیا کہ وہ مسلم لیگی لیڈروں پر "تبلیغ" کریں یعنی ان کی دینی تربیت کریں۔ اس سلسلے کا پہلا وفد ۲۴ دسمبر ۱۹۳۸ء کو مولانا مرتضیٰ حسن کی قیادت میں مسٹر جناح کے پاس بھیجا۔ اس وقت مولانا عثمانی اپنی والدہ کی علالت کی بناء پر وفد کی قیادت کرنے سے معذور تھے۔ اس وفد نے مسٹر جناح کو نماز پڑھنے کی تلقین (تبلیغ) کی۔ مسٹر جناح نے جواباً کہا کہ:

> "میں گنہگار ہوں، خطاوار ہوں، آپ کو حق ہے کہ مجھے کہیں۔ میرا فرض ہے کہ اس کو سنوں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ نماز پڑھوں گا۔" (حوالہ بالا)

دوسرا وفد ۱۲ فروری ۱۹۳۹ء کو مولانا شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں مسٹر جناح سے دہلی میں ملا۔ اس وفد میں مولانا عثمانی کے ہمراہ مفتی محمد شفیع اور مولانا ظفر احمد عثمانی بھی شامل تھے۔ سیاست اور مذہب کے موضوع پر گفتگو ہوئی، گفتگو کے اختتام پر مسٹر جناح نے کہا کہ:

> "دنیا کے کسی مذہب میں سیاست مذہب سے الگ ہو یا نہ ہو، میری سمجھ میں اب خوب آگیا ہے کہ اسلام میں سیاست مذہب سے الگ نہیں بلکہ مذہب کے تابع ہے۔" (حوالہ بالا، ص ۲۵)

تیسرا وفد، مولانا عثمانی کی قیادت میں مسٹر جناح سے پھر ملا۔ دوران ملاقات، ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھی وہاں موجود تھے۔ مسٹر جناح نے مولانا عثمانی سے کہا کہ "مجھے آپ کے ذریعہ خاص مذہبی معلومات حاصل ہوئی ہیں جو اور جگہ

نصیب نہیں ہوتیں۔ اگر آپ کو کچھ اور کہنا ہو تو بیٹھ جائیے، مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ میں بڑے شوق سے سنوں گا۔" (حوالہ بالا، بحوالہ روئیداد تبلیغ ص ۸، ۹) غرض یہ کہ مولانا تھانویؒ نے مسٹر جناح کی دینی اصلاح کے لیے مولانا شبیر احمد عثمانی کو مامور کیا جنہوں نے احسن طریقہ پر اپنا فرض ادا کیا۔ (ان تبلیغی وفود کے بارے میں تمام تر مواد ایک ہی ماخذ سے ملا ہے۔ لیکن اس بیان کی صحت پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں) یہ امر ملحوظ رہے کہ مسٹر جناح خوجہ شیعہ ہونے کے باوجود اسلامی عبادات کو سنی مسلمانوں کے ساتھ مل کر ادا کرتے تھے۔

.....

(Pakistan : The formative Phase 2nd ed. pp. 195-96)

پاکستان اور علماء کی موافقت اور مخالفت

جمعیت علماء ہند اور اس کے ہم نوا علماء کے علاوہ، علماء کا ایک گروہ ایسا بھی تھا (حسب تفصیل سابق) جس نے قرارداد پاکستان کی تائید وحمایت کی۔ ان علماء میں مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا ظفر احمد تھانوی وغیرہ شامل تھے۔ مولانا عثمانی نے اپنے خطبہ صدارت، صوبہ پنجاب علماء اسلام کانفرنس لاہور منعقدہ ۱۹۴۶ء میں بصراحت بیان کیا کہ :

> "عام مسلمین نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ ہندوستان کے ایک حصے کو پاکستان بنایا جائے، جو اسلامی ثقافت ودیانت اور سیاست وحکومت کا آزاد مرکز ہو۔"
>
> (علامہ شبیر احمد عثمانی، "ہمارا پاکستان" حیدر آباد دکن، س ن، ص ۲۶)

غرض یہ کہ علماء کا ایک طبقہ تھا، جس میں خصوصاً جمعیت علماء پیش پیش تھی، جس نے قرارداد پاکستان کی مخالفت کی۔ قرارداد پاکستان کے خلاف سب سے پہلی آواز (بقول مولانا احمد سعید) مولانا سجاد بہاری کی تھی۔ یعنی مسلم لیگ کے ریزولیشن پاس ہونے کے فوراً بعد مولانا سجاد بہاری نے اس کی مخالفت کی اور مسلمانوں کو ان "خطرات اور مصائب و آلام کو مستحضر کر دیا جو پاکستان کے دامن میں پوشیدہ تھے، اور جس کو نادان لوگ اپنی کامیابی سمجھ رہے ہیں۔"

مولانا نے مزید کہا کہ :

"اقتدار کے بھوکے چونکہ مسلم اقلیت کے صوبوں سے مایوس ہو گئے ہیں، اس لیے یہ قوت واقتدار کے متلاشی، مسلم اکثریت کے صوبوں کو اکھاڑہ بنانا چاہتے ہیں۔" (مولانا احمد سعید، خطبہ صدارت منعقدہ میرٹھ، ۱۹۴۲ء، ص ۳۷، ۳۸)

مولانا حسین احمد مدنی نے پاکستان اور دو قومی نظریے کی مخالفت کرتے ہوئے جون ۱۹۴۰ء میں کہا کہ:

"مسلمانان ہند کی فلاح اور مستقبل کی آئینی ودستوری حفاظت وبقا اس امر میں مضمر ہے کہ تمام صوبے خود مختار ہوں۔ مرکز کو صرف وہی اختیارات دیے جائیں جنہیں تمام صوبے متفقہ طور پر تسلیم کریں۔" (علماء حق حصہ دوم ص ۱۳۸، ۱۳۹)

علاوہ ازیں مولانا حسین احمد مدنی نے خطبہ صدارت ۲۰ تا ۲۲ مارچ ۱۹۴۲ء میں کہا کہ:

"مسلم لیگ نے عواقب ونتائج سے گھبرا کر مسلمانوں کی نجات اور خوش عیشی کے لیے صرف یہ راستہ تجویز کیا ہے کہ ہندوستان کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے اپنا جداگانہ سیاسی منطقہ براہ راست تاج برطانیہ کے ساتھ اپنی قسمت کو وابستہ کر دے۔" (مولانا مدنی، خطبہ صدارت لاہور ۱۹۴۲ء، ص ۴۲، ۴۳)

مولانا مدنی نے کہا کہ

"مجوزین تقسیم نے اس بات پر کوئی روشنی نہیں ڈالی کہ ہندوستان کے ہر صوبے میں مسلمانوں کی آبادی، ان کے مذہبی مقدس شعائر، مساجد، مزارات، علمی ادارے، اوقاف وغیرہ، اس قدر کثیر تعداد میں موجود ہیں کہ مسلمان کسی حالت میں ان کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور تقسیم ہند کی صورت میں ان کا حشر کیا ہوگا۔"

مولانا نے مزید فرمایا کہ:

"اس نظریے کے ماتحت ہندو مسلمے قائم ہو جانے کی صورت میں ہندو منطقوں میں مسلمان جن کی پوزیشن زیادہ سے زیادہ ۱۴ فیصدی اور اکثر حق طور پر ۷ یا ۵ فی صدی ہوگی، بالکل بے دست وپا اور زندہ درگور ہو جائیں گے۔ اور مسلم منطقوں میں غیر مسلم جن کی تعداد ۴۵ فی صد تک ہوگی، مسلم حکومت کے لیے

وبال جان ہوں گے۔" (ایضاً" ص ۴۳)

مولانا نے کہا کہ:

"مسلم مستثنے ہندو منطقوں کے تقریباً" ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں کی تباہی اور ہلاکت کی دستاویز پر خود دستخط کر کے اور اپنی جگہ ایسی حکومت جس میں غیر مسلم متعصب موثر اقلیتیں ان کے لیے وبال جان ہوں' حاصل کر کے کون سی فلاح وبہبود اور اطمینان ومسرت حاصل کر سکیں گے۔" (ایضاً" ص ۴۳)

اس سلسلے میں مولانا احمد سعید نے اپنے خطبہ صدارت فروری ۱۹۴۶ء میں پاکستان کے موقف کے بارے میں ایک سوال کرتے ہوئے' مسلم لیگ ہائی کمان سے یہ پوچھا کہ تین کروڑ مسلمان جو پاکستان کے علاوہ ہندوستان میں آباد رہیں گے' ان کا کیا ہوگا؟ مولانا نے اپنے خطبہ مذکورہ میں پاکستان کی اسکیم کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کہا کہ:

"یہ اسکیم پہلی مرتبہ ۱۹۲۲ء میں آئی اور پھر بتدریج یہ ہوتے ہوتے ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نے "قرارداد پاکستان" کی شکل میں عوام کے سامنے پیش کی۔ مولانا نے مسلم لیگ ہائی کمان سے یہ سوال کیا کہ چھ کروڑ مسلمانوں کی آزادی کی خاطر' تین کروڑ مسلمان' جو اقلیتی صوبوں میں آباد رہیں گے' ان کا کیا ہوگا۔"

مولانا احمد سعید نے کہا کہ:

"ہم اولاً" تو اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ہم متحدہ ہندوستان میں ہندوؤں کے غلام ہو جائیں گے۔ اگر بالفرض محال یہ تسلیم بھی لیا جائے کہ ایسا ہی ہوگا جب بھی ہندوستان کی آزادی سے اسلامی ممالک کے ۲۰' ۲۵ کروڑ مسلمان تو برطانوی شہنشاہیت کے تسلط سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جائیں گے۔"

(مولانا احمد سعید' خطبہ صدارت ۱۹۴۶ء' ص ۳۰' ۳۲)

علاوہ ازیں جمعیت علماء کا موقف یہ تھا کہ مسلمان ہندوستان میں صدیوں سے آباد ہیں اور ہر صوبے' ضلع' شہر' قصبے اور قریوں تک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے مقامات مقدسہ' عبادت گاہیں' دینی اور دنیوی درسگاہیں' غرض ہر چیز غیر مسلم صوبوں میں بہ کثرت موجود ہیں۔ پاکستان بن جانے کی صورت میں ان تمام یادگاروں اور درسگاہوں کو خیرباد کہنا پڑے گا۔ لہٰذا عقلاً" اور نقلاً" کسی طرح بھی پاکستان بن جانے سے مسلمانان ہند کے مسائل حل نہیں ہوں گے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ الجھیں گے۔

مولانا محمد میاں نے ایک بیان مولانا حسین احمد مدنی سے منسوب کیا ہے جو بے حد معنی خیز اور دلچسپ ہے۔ ان کے بیان کے مطابق مولانا حسین احمد مدنی نے پاکستان کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ :

"اگر پاکستان کا مطلب اسلامی حکومت علیٰ منہاج النبوت مسلم اکثریت کے صوبوں میں قائم کرنا ہے تو مبارک اسکیم ہے۔ اور اگر اس کا یہ مطلب نہیں تو یہ اسکیم بزدلانہ ہے اور ڈوائڈ اینڈ رول (Devide and Rule) کو تقویت پہنچانا ہے۔ عرب ممالک کو اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹا گیا اور یہی عمل ہندوستان میں مختلف پیرایوں سے ظاہر ہو رہا ہے۔" (علماء حق حصہ دوم ص ۱۳۶)

مولانا آزاد نے ۱۹۵۷ء میں اپنی کتاب "ہماری آزادی" کی تصنیف کے وقت پاکستان کے بارے میں کہا کہ :

"مسٹر جناح اور ان کے ساتھی یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ جغرافیائی صورت حال ان کے لیے ناموافق ہے۔ مسلمان سارے برصغیر میں کچھ اس طرح بکھرے ہوئے تھے کہ سمٹے ہوئے علاقے میں ان کی الگ ریاست بنانا ناممکن تھا۔ مسلمانوں کی اکثریت کے علاقے شمال مشرق اور شمال مغرب میں تھے۔ یہ دونوں علاقے کسی مقام پر بھی ایک دوسرے سے متصل نہیں ہیں۔ یہاں کے باشندے مذہب کے سوا ہر لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ کہنا عوام کو ایک بہت بڑا فریب دینا ہے کہ صرف مذہبی یگانگت دو ایسے علاقوں کو متحد کر سکتی ہے جو جغرافیائی، معاشی، لسانی اور معاشرتی اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل جدا ہوں۔" (محمد مجیب مترجم، "ہماری آزادی" مولانا ابو الکلام آزاد مطبوعہ ۱۹۶۱ء، بار اول ص ۴۵۳)

مولانا ابوالکلام آزاد نے مزید بیان کیا ہے کہ :

"اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے ایک ایسے معاشرے کے قیام کی کوشش کی جو نسلی، لسانی، معاشی اور سیاسی حد بندیوں سے بالاتر ہو۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ شروع کے چالیس برسوں کو یا زیادہ سے زیادہ پہلی صدی کو چھوڑ کر اسلام کبھی سارے مسلمان ممالک کو صرف مذہب کی بنیاد پر متحد نہ کر سکا۔" (ہماری آزادی، ص ۴۵۳، ۴۵۴)

غرض یہ کہ جمعیت علماء ہند کے اکابر اور مولانا آزاد نے برصغیر کے جغرافیائی، تمدنی ولسانی حالات کا جائزہ لیتے ہوئے تقسیم ہند کی مخالفت کی اور ان کی اپنی رائے یہ تھی کہ موجودہ صورت حال میں تقسیم ہند سے مسلمانوں کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا بلکہ اس کے نقصانات اور مضار اس کے فوائد سے کہیں زیادہ ہوں گے۔ مولانا احمد سعید نے اسی بات کا اظہار اپنے خطبہ صدارت، ۱۹۴۶ء میں کیا تھا۔ (خطبہ صدارت، ۱۹۴۶ء ص ۲۱، ۲۳)

راقم کی رائے یہ ہے کہ پاکستان کا قیام (مشرقی ومغربی بنگال) اسی صورت میں قائم ودائم رہ سکتا تھا جب کہ پاکستان کے ارباب بست وکشاد اپنے قول، فعل اور عمل سے پہلی صدی ہجری جیسی اسلامی سوسائٹی کی تشکیل کر سکتے۔ تب شاید بعد المشرقین کا فرق جسمانی اتصال کے بغیر ایک اسلامی ریاست کے پھلنے پھولنے میں مد ومعاون ہو سکتا۔

(ماخوذ از "برصغیر پاک وہند کی سیاست میں علماء کا کردار")

ہم اسلام کے اصولوں میں یہ بات پاتے ہیں کہ ایک طرف تو امت پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ امیر کی کامل اطاعت کرے اور دوسری طرف اس پر یہ ذمہ داری بھی عائد کی گئی ہے کہ وہ حق کا اعلان کرتی رہے اور نصیحت کا کلمہ کہنے میں ہر خوف سے بے پروا ہو۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے "شہداء" کے لقب سے ممتاز فرمایا ہے، جس کے معنی ہیں حق کی گواہی دینے والے۔ خلفاء راشدین کا یہ حال تھا کہ بڑھیا عورتیں ان کو برسر منبر ٹوک دیتی تھیں اور وہ ان کی نصیحتوں کو بخوشی قبول کرتے تھے۔ اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کو شوریٰ کا حکم دیا تا کہ لوگوں کو کلمہ حق کہنے کی جرات ہو۔ چنانچہ صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ وہ اپنی رائیں پوری بے خوفی سے ظاہر کر دیتے تھے، اگرچہ ان میں سے کسی کی رائے خود آنحضرت ﷺ کی رائے کے خلاف ہو۔ لیکن یہ بات فراموش نہ کرنی چاہئے کہ آزادی رائے کو فتنہ وفساد سے کوئی تعلق نہیں۔

(مولانا حمید الدین فراہیؒ)